ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"شوکت صدیقی کی ناول نگاری میں مغربی تہذیب کی عکاسی۔ بحوالہء خصوصی: "خدا کی بستی" اور "جانگلوس

DEPICTION OF WESTERN CULTURE IN SHAUKAT SIDDIQUI'S NOVELS: WITH SPECIAL REFERENCE TO "KHUDA KI BASTI" AND "JANGLOOS"

ڈاکٹر انیلا سعید
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو
قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، ڈیرہ اسماعیل خان
ڈاکٹر محمد بلال
لیکچرر اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج فار بوائز، چکری، راولپنڈی

Abstract
Shaukat Siddiqui is a famous name amongst Urdu fiction writers. His writings were highly influenced by Progressive Writers' Movement. Here is a brief study and analysis of his famous novels "Khuda ki Basti" and "Jangloos" in this perspective. This article sheds light on the presentation of Western culture and civilization in the said works.

اردو خلاصہ
ترقی پسند فکر کے عکاس شوکت صدیقی اردو کے اہم فکشن نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیقات انسانی زندگی کے نشیب و فراز، معاشی و سماجی ناہمواریوں، طبقاتی کش استحصال کی تصاویر دکھاتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں مغربی تہذیب و تمدّن کے اثرات بہت نمایاں ہیں اور ان کی پیشکش میں اشتراکی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی مکش، ظلم، جبر اور گئی ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی پس منظر میں شوکت صدیقی کے ناولوں "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" کے جائزے پر مبنی ہے۔

کلیدی الفاظ
شوکت صدیقی، ترقی پسند تحریک، ترقی پسند فکر، اردو فکشن، اردو ناول، خدا کی بستی، جانگلوس، تہذیب، ثقافت، تمدّن، مغربی تہذیب، مغربی تمدّن، مغربی ثقافت، مغربی تمدن، انیلا سعید، محمد بلال

Key Words:
Shaukat Siddiqui, Progressive Writers' Movement, Urdu Fiction, Urdu Novel, Khuda ki Basti, Jangloos, Culture, Civilization, Western Culture, Western Civilization, Aneela Saeed, Muhammad Bilal.

شوکت صدیقی کا شمار اُردو کے اہم ادیبوں میں ہوتا ہے۔ اُنہوں نے مختصر افسانہ اور ناول نگاری کو اِظہار کے لیے مُنتخب کیا۔ شوکت صدیقی اُردو افسانوی ادب میں سماجی حقیقت نگاری کے نُمائندہ ہیں۔ مُعاشرے کے کمزور اور طبقاتی نظام میں ادنیٰ سمجھے جانے افراد کو موضوع بنانے کے جس عمل کا آغاز پریم چند سے ہوا تھا، اُسے بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں ترقی پسند تحریک نے ایک بہت بڑے پیمانے پر اپنایا تو لکھنے والوں کی کثیر تعداد نے تحریک میں شمولیت اِختیار کرتے ہوئے ترقی پسند ادب تخلیق کیا۔ شوکت صدیقی نے اپنا اوّلین افسانہ 1940ء میں تحریر کیا۔ اِبتداً اُن کی نگارشات پر رُومانوی تحریک کے اثرات تھے، یہی وجہ ہے کہ اُن کے موضوعات رُومانی اور مُعاشرتی رہے۔ لیکن بعد ازاں اُن کا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا اور یہ تبدیلی 1943ء میں ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی۔ تحریک میں شمولیت نے اُن

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

کے فکر و ذہن میں اِنقلاب برپا کر دیا اور اُن کے اُسلوب میں واضح تبدیلی رُونُما ہوئی۔ ترقی پسند فکر کے زیرِ اثر اُنہوں نے مُعاشرے کے ادنیٰ ترین طبقوں کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

شوکت صدیقی ترقی پسند فکر کی نمائندگی بخوبی کرتے ہیں اور اسی کے زیرِ اثر مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے ناقد کے طور پہ محنت کرنے والے کو اُس کا حق نہ ملنے یا بقولِ خود 'محنت کی چوری' کے خلاف اپنے افسانوی ادب میں آواز بلند کرتے ہیں۔ شوکت صدیقی محنت کش کے وقت اور مشقت کے بدلے کم معاوضہ دے کر کی جانے والی چوری کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے بیان کردہ ترقی پسندی کے مفہوم کے مُطابق سماجی ناانصافی، طبقاتی کش مکش، ظُلم، جبر اور اِستحصال کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک محنت کے اِستحصال سے مُعاشرے میں ناانصافی جنم لیتی ہے اور اِس کے خاتمے سے ہی سماج میں اِنصاف مُیسّر آ سکتا ہے۔(1)

شوکت صدیقی کے ناولوں میں قیامِ پاکستان کے بعد اُبھرنے والے سماج اور عصری مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ وہ سماج کے مُختلف طبقات کے رویوں، خواہشات، ذہنی و جذباتی کیفیات کو موضوع بناتے ہیں تاہم اُنہیں نچلے متوسط طبقے اور جرائم پیشہ افراد کی زندگی کی تصویر کشی میں ملکہ حاصل ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُنہیں نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور مفلسوں اور قلاشوں کے بیچ شب و روز گُزارنے پڑے جس کے نتیجے میں نچلے طبقے کو قریب سے دیکھنے کا موقع مُیسّر آیا۔ اُن مُشکل دِنوں کا احوال سُناتے ہوئے اُنہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اُس زمانے میں سر چُھپانے کو جگہ میسر نہ تھی، جہاں جگہ مل جاتی سو جاتا تھا۔ جرائم پیشہ افراد سے بھی واسطہ پڑا یوں ان کی نفسیات، رہن سہن، طرزِ گُفتگو کا قریب سے اور بہت گہرا مُشاہدہ کرنے کا موقع مِلا۔ بعد ازاں یہی تجربات اور مُشاہدات اُن کے افسانوی ادب کا حصہ بنے اور اُنہوں نے سماجی حقیقت نگاری کی نئی مثال قائم کی۔ اِسی پس منظر میں اُن کا ناول "خُدا کی بستی":

"پاکستان کے ایک ایسے دور کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں سرمایہ دارانہ نظام کی کشمکش بھی ہے اور معاشرتی، تہذیبی اور اقتصادی قدروں کا بحران بھی، اس ناول میں زندگی کے وہ مسئلے کھل کر سامنے آئے ہیں جن سے ہماری زندگی عبارت ہے۔" (2)

قیامِ پاکستان کے بعد نو تشکیل پذیر مُعاشرہ بڑی تیزی سے پُرانی رِوایات و اقدار سے پیچھا چھُڑاتے ہوئے جدید اقدار اپنانے میں مصروف تھا۔ تقسیم کے اثرات ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھے۔ نقلِ مکانی کے عمل سے گُزرنے والوں نے اپنے پُرکھوں کی جائیداد اور وطن ہی نہیں چھوڑا، اُنہیں بہت سی رِوایات اور اقدار سے بھی محروم ہونا پڑا۔ تقسیم کے نتیجے میں اِنسانی رویوں میں تبدیلی کا ایک ایسا عمل واقع ہوا جو مثبت کے ساتھ ساتھ بہت سے منفی پہلو بھی لیے ہوئے تھا۔ ایک طرف ہجرت کے کرب سے گُزرنے والوں کی اِمداد کے لیے لوگ اِنفرادی و اِجتماعی سطوح پر سرگرمِ عمل تھے تو ساتھ ہی اُن کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے والوں اور اِستحصال کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ہجرت کر کے آنے والوں نے بھی اپنی اپنی اُفتادِ طبع کے مُطابق طرزِ عمل کا مُظاہرہ کیا۔ متروکہ جائیدادوں کے قانونی اور جائز کلیم داخل کرانے والوں کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی کم نہ تھے جنہوں نے جھوٹے کلیم داخل کرا کے راتوں رات اپنی مالی اور سماجی حیثیت میں اِضافہ کر لیا۔ یہ دور بہت بڑی تبدیلیوں اور آزمائشوں کا دور تھا جس میں بہت سے لوگ اخلاقیات کے مُروّجہ پیمانوں پر پُورا اُترنے سے قاصر رہے۔ مغربی فکر کے زیرِ اثر مادیّت پرستی تیزی سے نئے مُلک کے مُعاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی اور اقدار اپنی حیثیت بدل رہی تھیں۔ قیامِ پاکستان کے مابعد یہی تبدیل ہوتا ہوا منظر نامہ شوکت صدیقی کے ناولوں میں اہم سروکار بن کر اُبھرتا ہے۔ "خدا کی بستی" شہری مُعاشرت کے ماجرے پر مبنی ہے جبکہ "جانگلوس" میں دیہی زِندگی پر قصّے کی بُنیاد رکھی گئی ہے۔ تاہم دونوں میں جرائم کی دُنیا اور مادیّت مدار رویے قصّے کا اہم جُزو ہیں اور اِنہی کی بُنیاد پر ناول کی ماجرائی تشکیل ہوتی ہے۔

شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" (1958ء) سماجی حقیقت نِگاری کی اہم مثال ہے جس میں قیامِ پاکستان کے بعد کے نچلے مُتوسط طبقے کی زندگی اور مسائل پیش کیے گئے ہیں۔ شوکت صدیقی نے منٹو، بیدی اور غلام عباس کے تتبّع میں اردو کی ترقی پسند افسانوی روایت کی پیروی کی۔(3) ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باعث وہ ادب میں اِشتراکی فکر کی نُمائندگی کرتے ہیں۔ مُعاشرے کے بارے میں ایک مخصوص نقطۂ نظر اُن کی تخلیقات سے عیاں ہے۔ بالخصوص "خدا کی بستی" اُن کے فن و فکر کا بھرپور نُمائندہ ناول ہے۔ اس ناول میں پاکستان بننے کے فوراً بعد کے عہد کے ادنیٰ متوسط طبقے اور شہری زندگی کی عکاسی کی گئی ہے، بالخصوص سماج دشمن اور جرائم پیشہ تصور کیے جانے والے لوگوں کو مرکزِ نگاہ بناتے ہوئے جرائم کی دنیا سے نقاب اٹھنے کی سعی کی گئی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

شوکت صدیقی نے اِشتراکی فکر کے زیرِ اثر مُعاشرے کے کمزور اور اِستحصال کا شکار پرولتاریا طبقے کو موضوع بنایا ہے۔ ادنیٰ اور غریب لوگ جو مفلسی اور حالات کے جبر کے نتیجے میں مُجرمانہ سرگرمیوں میں مُلوث ہو جاتے ہیں، جنہیں سماج میں ایک بُرائی تصوّر کیا جاتا ہے، جو گُم کردہ راہ ہیں، سماجی ناہمواریوں اور معاشی مسائل کے بوجھ تلے دبے ہوئے، جن کے ساتھ مُعاشرے نے حُسنِ سلوک کا مُظاہرہ نہیں کیا اور وہ پے در پے مصائب و مُشکلات سے دوچار ہو کر وقت اور حالات کے جبر کے تحت جُرم کی تاریک راہوں پر چل پڑتے ہیں۔ یہی لوگ "خدا کی بستی" کے مرکزی کردار ہیں اور اِنہی کی مدد سے شوکت صدیقی نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد تشکیل پانے والے معاشرے اور اس عہد کی ناہموار زندگی کی سچی، جیتی جاگتی اور پر اثر تصویر پیش کی ہے جسے "ایک حسین خواب کی خوفناک تعبیر سے پیدا ہونے والے ماحول کی نہایت کامیاب عکاسی"(4) قرار دیا جانا بالکل بجا ہے۔

"خدا کی بستی" کا موضوع شہری زِندگی کے گرد گھومتا ہے۔ مُصنف نے شہری زِندگی کے معمولات، رہن سہن، سماجی گمراہیوں، استحصالی رویوں اور مسائل کو اُجاگر کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جس سرمایہ دارانہ ذہنیت اور کلچر نے اپنی جڑیں مضبوط بنانا شروع کی تھیں، شوکت صدیقی اس کی بھرپور عکاسی میں کامیاب دِکھائی دیتے ہیں۔ کمتر سماجی حیثیت کے لوگوں نے جن منفی ہتھکنڈوں کی مدد سے راتوں رات طبقۂ اُمرا میں شمولیت کی دوڑ شروع کی اُنہیں نیاز کی زِندگی میں بخوبی مُشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہو گا کہ اِس دوڑ میں اُمرا بھی شامل تھے جو امیر تر ہونے کی خواہش میں مُبتلا تھے۔ نیاز "خدا کی بستی" کے اہم کرداروں میں شامل ایک کباڑیا تھا جس نے نوشا نامی لڑکے کے خاندان پر اثر انداز ہو کر اُن کی تباہی کا سامان کیا۔ ابتداً وہ موٹر مکینک کا کام سیکھنے والے کم سن لڑکے نوشا کو چوری جیسی مُجرمانہ حرکت کی ترغیب دیتا ہے، محض اِس لیے کہ اُس سے گاڑیوں کے قیمتی پُرزے مفت حاصل کر سکے۔ یہ صرف آغاز تھا جس سے نیاز کے اِرادوں اور ذہنیت کا پتا چلتا ہے۔ نوشا کے بعد اُس کے گھر والوں کی باری آتی ہے اور نیاز اُس کی بیوہ ماں سے اُس کا مکان ہتھیانے کی نیت سے شادی کر لیتا ہے۔ مکان ہی نہیں اُس کی نظر نوشا کی نوجوان بہن سُلطانہ پر بھی تھی۔ شادی کے بعد بیوی کو سلو پوائزننگ سے موت کے گھاٹ اُتار کر وہ مرحلہ وار اپنے مُجرمانہ منصوبوں کی تکمیل کرتا ہے۔ اِسی دوران میں اُس کی مالی حالت میں غیر معمولی تبدیلیاں آنے لگتی ہیں جو اُس کے بد دیانتی پر مبنی منصوبوں کا نتیجہ تھا۔ نیاز، خان بہادر نامی بااثر شخص سے گٹھ جوڑ کر لیتا ہے اور تعمیراتی منصوبوں کے ٹھیکوں کے ذریعے مال بنانے لگتا ہے۔ مُعاشرے میں اہم مقام و مرتبہ رکھنے والے خان بہادر سے کاروباری مفادات کا اِشتراک نیاز کے لیے پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں کے مصداق ثابت ہوتا ہے۔ تموّل کے حُصول کے بعد وہ اپنا رہن سہن، لباس، گفتگو، حلقۂ احباب سب کچھ بدل لیتا ہے۔ ایک معمولی کباڑیے سے دولت مند ٹھیکے دار بننے تک کا سفر بد دیانتی اور فریب کی بُنیاد پر طے کرنے والا نیاز اپنے رِشتوں اور روابط میں بھی مکر، فریب اور دھوکا دِہی سے کام لیتا ہے۔ نوشا کا پُورا خاندان نیاز کے فریب اور جبر کا شکار ہو کے تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ دولت اُس کی آنکھوں پر غرور کی چربی چڑھا دیتی ہے اور وہ اِنسانوں کو زر کے پیمانوں میں تولنا شروع کر دیتا ہے۔

شوکت صدیقی نے تغیّر پذیر تہذیبی اقدار کے تحت باہمی رشتوں ناتوں میں پیار محبت اور خُلوص کے بجائے روپے پیسے اور سماجی مرتبے کے اہم ہو جانے کی بھی نشان دِہی کی ہے۔ سلمان ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے جو سماج سُدھار جذبے کے تحت فلاحی تنظیم 'سکائی لارک' یا 'فلک پیما' سے وابستہ ہے۔ وہ اپنا وقت اور توانائیاں کسی لالچ یا صلے کی تمنّا کے بغیر غریب لوگوں کی حالت بدلنے کے لیے اِستعمال کرتا ہے۔ اِسی دوران میں سُلطانہ اُس کی زندگی میں آتی ہے لیکن فلاحی منصوبوں میں بے پناہ مصروفیت اور ازدواجی زندگی کو ایسا بوجھ تصوّر کرتے ہوئے جو اُس کے فلاحی کام میں رُکاوٹ بن سکتا تھا وہ سُلطانہ کو شریکِ حیات بنانے سے گُریز کرتا ہے۔ یہ فیصلہ نہ صرف سلمان بلکہ سُلطانہ کے لیے بھی بد قسمتی کے ایک طویل سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ سلمان قُربانی کے جذبوں سے سرشار خدمتِ خلق میں مصروف ہونے کے سبب اپنا کیریر بنانے اور سماج میں کوئی اہم مقام حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اِس کے مُضمرات کا اِنکشاف اُس وقت ہوتا ہے جب ایک حادثے کے نتیجے میں وہ اپنے گھر واپس جانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اُس کے بہن بھائی مُعاشرے میں اپنا مقام و مرتبہ بناتے ہوئے سلمان کو بہت پیچھے چھوڑ چکے ہوتے ہیں اور اب وہ اُن کے مُقابلے میں بے حد کمتر محسوس کرتا ہے۔

مُعاشرے میں بلند تر مقام پانے کے لیے دن رات سرگرداں سلمان کا گھرانہ ایک ایسی نا مختتم، مقابلے کی دوڑ Rat Race کا حصہ ہے جس میں پیچھے رہ جانے والے بے قیمت اور معمولی سمجھے جاتے ہیں۔ حالات کی ستم ظریفی نے سلمان کو بھی اِنہی پیچھے رہ جانے والے بے وقعت، غیر اہم لوگوں میں شامل کر دِیا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

ہے، قُوّتِ عمل رکھتا ہے، ایک درد مند دِل کا مالک ہے، بے غرض خدمت کر سکنے کا اہل ہے لیکن اُس کی خالی جیبیں اور بنک میں روپے کے نام پہ دھیلا تک جمع نہ کر پانا ایک زر پرست مُعاشرے میں بہت بڑا عیب بلکہ نا قابلِ معافی گُناہ بن جاتا ہے۔ اُس کی ساری شخصی خوبیاں اِس ایک عیب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔ بہن بھائی اُسے قطعاً در خور اعتنا نہیں سمجھتے۔ بیمار پڑتا ہے تو کوئی منہ میں پانی تک ڈالنے والا نہیں ہوتا۔ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر بھائی اُس کی تیمارداری تک کے روادار نہیں۔ سلمان بستر علالت پر پڑا ہے اور اُن کا یہ حال ہے کہ آپس میں ہنستے بولتے، فلموں اور لباس کے نمونوں پر تو گفتگو کرتے ہیں لیکن سگے بھائی کی بیماری کا ذکر بھی گوارا نہیں جو بخار میں تپ رہا ہے، اس کی بیماری طویل ہوتی جا رہی ہے اور بھرے پرے گھر میں کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں۔(5)

سلمان کے بہن بھائیوں کے سرد رویے اور لاتعلقی کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز ہے اور نہ مال و زر کا مالک ہے، نتیجہ یہ کہ بہن بھائی اُسے اپنی توجہ کے قابل نہیں سمجھتے۔ وہ اُن کے لیے کوئی افادیت نہیں رکھتا اور کسی بھی قسم کی منفعت پہنچانے سے قاصر ہے، لہٰذا اُن کا دنیاوی منفعت گیری کا جذبہ اِنسانی رشتوں پر غالب آجاتا ہے اور سلمان بھرے پُرے گھر میں عملاً بالکل تنہا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ذہنی اور جذباتی تنہائی ہے جو اُسے اپنی ذات کے خول میں محصور کر کے رکھ دیتی ہے۔ مُعاشرے میں بڑھتی ہوئی سرمایہ دارانہ ذہنیت اور زر پرستی کا عنصر سلمان جیسے باصلاحیت اور دردِ دِل رکھنے والے اِنسان کو ناکارہ اور بے قیمت بنا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ شہری زندگی کا تیزی سے پھلتا پھولتا کلچر تھا جو پُرانی اقدار پر غالب آتا جا رہا تھا۔ یہ سامری کے بچھڑے کی پوجا کا کلچر ہے۔ "خدا کی بستی" میں یہی سفّاک کلچر جس کی تعمیر "سماجی مرتبہ کی خواہش، دولت کے حصول کی اندھی طلب، مستقبل کا خوف، بیروزگاری، بھوک، بے راہ روی، جنس، ہنگامہ اور تصنع" (6) کے اینٹ گارے سے ہوئی، اپنے سارے لوازمات سمیت ایک بہت بڑی حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔

شوکت صدیقی نے جس شہری کلچر کی تصویر کشی کی ہے وہ مغرب سے مُستعار رویوں اور اقدار کو اپنا محور بناتا ہے۔ سلمان کے گھرانے میں جدید تمدّنی رویوں کے اثرات بھرپور انداز میں کار فرما نظر آتے ہیں۔ بالخصوص منجھلا بھائی سراسر مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اُس کے سارے رنگ ڈھنگ، وضع قطع اور رویے بشمول بول چال، کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، سبھی مغربی تہذیب کا پرتو ہیں۔ اسے اپنے بچوں سے انگریزی میں گفتگو کرنا پسند ہے اور اُن کے منہ سے اُردو کا ایک لفظ بھی سُننا گوارا نہیں کرتا۔ انگریزوں کے تتبّع میں بیڈ ٹی پیتا اور ناشتے کے ساتھ اخبار پڑھتا ہے، بیوی کو ڈارلنگ کہہ کے مخاطب کرتا ہے، ناشتے اور رات کے کھانے کے وقت کا اعلان کرنے کے لیے گھر میں ایک گھنٹا Dinner Gong لے آیا ہے، ہالی ووڈ کی فلموں سے اپنے لیے لباس کا ڈیزائن منتخب کرتا ہے اور کبھی کبھار بیئر کا گلاس بھی چڑھا جاتا ہے اور یہ ساری تگ و دَو محض بڑا آدمی کہلائے جانے کے لیے ہے۔ یہ مغربیت محض ظاہر سے عیاں نہیں ہے، یہ اُس کے ذہن کو مکمل طور پہ گرفت میں لے چکی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسے اپنے بھائی سلمان کی زندگی سے کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہیں۔ یہی حال سلیمان کے چھوٹے بھائی کا ہے جو سی۔ ایس۔ پی افسر بن کر بنگلہ، گاڑی اور آگے پیچھے پھرنے والے مُلازموں کی قطاریں اپنے ارد گرد دیکھنے کا خواہاں ہے۔ بڑی بہن چاہتی تھی کہ کسی اعلیٰ افسر سے شادی ہو جائے، جب ایسا ممکن نہ ہو پایا تو سکالرشپ پر باہر جانے کی تمنائی ہے۔ جبکہ چھوٹی بہن تصنّع پسند طبیعت کے ہاتھوں بے جا اخراجات سے گھر کے بجٹ کو غیر مُتوازن کیے رکھتی ہے۔ وہ سب ترقی کی سیڑھیاں طے کر کے بلندی پہ پہنچنا چاہتے ہیں، خونی رشتوں کی اُن کے نزدیک نہ تو کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی کوئی حیثیت۔ سلمان کو اپنے تعلیم یافتہ بہن بھائیوں اور ان پڑھ نیاز میں کوئی فرق نظر نہیں آتا کیونکہ اُن سب کی منزل ایک ہی ہے: کوٹھی، کار اور بینک بیلنس، معمولی سا فرق یہ ہے کہ نیاز نے اپنی منزل ان سے پہلے پالی ہے۔(7)

سلمان سے جو رویہ نیاز نے اپنایا تھا ویسا ہی رویہ اُس کے بہن بھائیوں نے بھی اپنا کر واضح کر دیا کہ زر پرست ذہن ایک جیسا سوچتے ہیں۔ سلمان کے تئیں دونوں کے سلوک میں چنداں فرق نہیں۔ وہ بھی اُسے ویسی ہی حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے نیاز دولت مند ہو جانے کے بعد اُسے دیکھتا تھا۔ اِس تحقیر کی وجہ محض یہ تھی کہ سلمان کے پاس گاڑی، مال و دولت اور شاندار لباس جیسے اسباب موجود نہ تھے۔ نہ ہی وہ کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو پایا تھا کہ اپنے عہدے سے اُنہیں کوئی فائدہ بہم پہنچانے کی حیثیت میں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ اِنسان کی وقعت کو محض مال و زر کے پیمانوں سے ناپنے والوں نے سلمان کو مُسترد کر دیا اور اُن سب کی نظروں میں بطورِ اِنسان اُس کی اخلاقی خوبیوں، حُسنِ سیرت اور خون کے رشتے کی اہمیت کھوٹے سکوں سے زِیادہ نہ تھی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

سلمان اپنی شخصیت میں کئی خامیوں کے باوصف آدرشوں کا اسیر، تعلیم یافتہ نوجوان ہے۔ اُس میں کچھ کر گُزرنے کی خواہش تھی، وہ میدانِ عمل میں اُترا اور جدوجہد میں مصروف بھی رہا۔ بدقسمتی سے ان کوششوں کا سلسلہ جاری نہ رہ پایا، گھر والوں کے ناروا سلوک نے اُسے مجبوراً اِسی نظام کا حصہ بن جانے پر آمادہ کر دیا اور وہ سمجھوتوں پر راضی ہو گیا۔ رخشندہ سے اُس کی شادی بھی ایک سمجھوتے کا نتیجہ تھی۔ شادی کے بعد رخشندہ کے بااثر چچا نے سلمان کو مُلازمت دِلانے کا وعدہ کیا تھا۔ سلمان محض مُلازمت کر لینے اور شادی کر کے گھریلو زندگی گُزارنے پر ہی آمادہ نہیں ہوتا بلکہ اپنوں کے مادیّت پرستانہ رویوں کے ردِ عمل میں خود بھی حُصولِ زر کی دوڑ میں شامل ہو جاتا ہے۔ سلمان کے معاملے میں اِس فیصلے کے بہت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد سلمان کراچی میں مُلازمت کرتا ہے۔ اُس کی بیوی رخشندہ جو شروع شروع میں ایک سیدھی سادی لڑکی تھی آہستہ آہستہ نئے ماحول میں نئے رنگ ڈھنگ اِختیار کرنے لگتی ہے اور مغربی طور طریقے اپنا لیتی ہے۔ اُس کے لباس، بول چال، رہن سہن میں بڑی تیزی سے تبدیلیاں رُونُما ہونے لگتی ہیں جنہیں سلمان خوشگوار تبدیلیاں سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اِن تبدیلیوں کا اثر اُس کی زندگی پر منفی انداز میں مُرتّب ہونے لگتا ہے۔ رخشندہ جو ماڈرن ہو جانے کے بعد اب رخشی کہلاتی ہے، نت نئے فیشن، کاسمیٹکس، قیمتی فیشن میگزین، سنیما اور سیر و تفریح میں بے تحاشہ رقم اُڑانے لگتی ہے جس سے سلمان مقروض ہو جاتا ہے۔ رخشندہ میں اِن تبدیلیوں کا آغاز اپنے پڑوس میں رہنے والی ملازمت پیشہ لڑکیوں کے ماڈرن طور طریقے دیکھ کر ہوتا ہے۔

مشرقی اقدار کی پروردہ رخشندہ نے جس راہ پر قدم رکھ دیے تھے اُس کا انجام تباہی کی صُورت میں نکلتا ہے اور وہ "گمراہیوں کی تاریکی کی طرف قدم بڑھاتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ بدچلن اور بدقماش عورتوں کی صف میں شامل ہو جاتی ہے۔" (8) اِسی اثنا میں سلمان کا باس جعفری امریکا میں ایک سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد وطن لوٹتا ہے تو 'جیفرے' کا روپ دھار چُکا ہوتا ہے۔ نام ہی نہیں وہ خود بھی مُکمل طور پر امریکی رنگ میں سرتاپا ڈوبا ہوا واپس آتا ہے۔ سلمان کو امریکی لہجے میں 'سولومن' پُکارتا ہے۔ اُس کے انداز اور اخلاقیات کے سارے مُظاہرے بھی امریکی ہیں۔ وہ بھی امریکیوں کی طرح ترقی کی بے پایاں خواہشات کا اسیر ہے اور مُسابقت کی فضا میں ہر حربہ آزمانا جائز سمجھتا ہے۔ ترقی کے راستے کے سفر میں رشتے ناتوں، دوستی برادری کسی چیز کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ افراد اُس کے لیے سیڑھیاں ہیں جن پر قدم رکھ کر ہی وہ ترقی اور عروج حاصل کر سکتا ہے اور وہ ایسا کرتا بھی ہے۔ اُسے قطعاً پروا نہیں کہ اُس کے قدموں تلے کون روندا جا رہا ہے۔ دفتر میں سلمان سے دوستانہ روابط بڑھا کر رفتہ رفتہ اُس کی بیوی سے بھی رہ و رسم بڑھا لیتا ہے اور پھر اُسے اپنے مقاصد کے حُصول کے لیے اِستعمال کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ سلمان محض اِس لیے رخشندہ کی جانب جعفری کی پیش قدمیوں اور بڑھتی ہوئی بے تکلفیوں کو برداشت کرتا رہتا ہے کہ کہیں اُسے اپنی مُلازمت سے ہاتھ نہ دھونا پڑ جائیں۔ یہاں اُس کا آسودگی اور آسائشوں کا عادی ہو جانا اور زندگی کے بارے میں بدلا ہُوا مادّی نقطۂ نظر قدموں کی زنجیر ثابت ہوتا ہے، یوں وہ کوئی بھی مُناسب قدم اُٹھانے سے محروم رہتا ہے۔ لیکن انجامِ کار نہ تو مُلازمت باقی رہی، نہ پیسہ اور نہ ہی ازدواجی زندگی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہ پائی۔ سب کچھ کھو کر سلمان پہلے کی طرح تہی دست، تہی دامن ہو کر واپسی کا راستہ اِختیار کرتا ہے اور اپنے ادھورے خوابوں کی تکمیل کی جدوجہد کا دوبارہ آغاز کرتا ہے لیکن واپسی کا یہ سفر بہت سی محرومیوں اور شکستگی کے احساس سے عبارت ہے۔ اپنی دیرینہ روایات سے انحراف، جدت پسندی کے شوق، جلد از جلد مادّی ترقی کی خواہش اور خونی رشتوں میں در آنے والی سفاک مادیّت پرستی کی پیدا کردہ دراڑوں نے سلمان سے بہت کچھ چھین لیا جس میں اپنے آدرش کھو دینے اور رِشتوں کی اپنائیت و اعتبار کھو دینے کا ملال بھی شامل ہے۔ خون کے رشتوں نے آنکھیں پھیر لیں اور سُلطانہ جس کا ساتھ نبھانے سے وہ خود قاصر رہا، نیاز کے سفّاکانہ عزائم کی بھینٹ چڑھ کے سلمان کی دسترس سے نکل جاتی ہے۔ "خدا کی بستی" میں موجود صُورتِ حال کو ڈاکٹر فاروق عثمان نے بڑے موزوں الفاظ میں سمیٹا ہے۔

"معاشرت کو صنعتانے میں اقدار کی تبدیلی نے کچھ ایسے روح فرسا مناظر کو ہمارے تمدن کا حصہ بنا دیا ہے کہ جن کا تصور بھی بڑا اذیت ناک ہے۔ لیکن یہ واقعات اپنی ساری دہشتناکی اور ناقابلِ یقین کیفیت کے باوجود اپنی پشت پر صنعتی عہد میں "سماجی مرتبے کی خواہش"، "دولت کے حصول کی اندھی طلب، مستقبل کا خوف، بھوک اور بوالہوسی" کی کچھ حقیقی اور منطقی صداقتیں رکھتے ہیں۔"(9)

"خدا کی بستی" شہری زندگی کے شب و روز کی کہانی ہے تو "جانگلوس" میں دیہی زندگی خُصوصاً جاگیردارانہ ماحول اور طرزِ عمل کی عکاسی کی گئی ہے۔ زمین اور جائیداد کے حُصول کے لیے ہر طرح کے جائز اور ناجائز طریقوں کا اِستعمال، مُعاملات پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے مُجرمانہ کاروائیوں یہاں تک کہ قتل جیسے سنگین جُرم سے بھی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

گُریز نہ کرنا، قیامِ پاکستان کے تناظر میں متروکہ جائدادوں کے کلیم اور ملکیت کے جُھوٹے دعوے، اور عورت کو بطورِ کماڈیٹی اِستعمال میں لانے جیسا گھناؤنا عمل، یہ سب مِل جُل کر "جانگلوس" کا منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔ ناول میں پیش کردہ دیہی ماحول میں سنگین جرائم کے سائے اِتنے گہرے نظر آتے ہیں کہ نقاد ڈاکٹر ممتاز احمد خان اِسے "دیہی انڈرورلڈ"(10) قرار دیتے ہیں۔ جبکہ شہری زندگی کے نقوش بھی بیوروکریسی اور اشرافیہ کی صُورت میں موجود ہیں اور اپنا اثبات کراتے ہیں۔ سماج میں بظاہر باعزت تصور کیے جانے والا یہ طبقہ جو عرف عام میں اشرافیہ کہلاتا ہے، نظامِ قانون، سیاست اور معاشرے پر حکمرانی کرتا چلا آرہا ہے اور اس کی رگِ جاں میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑے ہوئے ہے۔ اسی بالادست اشرافیہ کے باطن کو تاریک اور مکروہ قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر انوار احمد نے مذکورہ طبقے کو آکاش بیل سے تشبیہ دی ہے۔(11)

"جانگلوس" بُنیادی طور پر جیل سے مفرور دو مُجرموں لالی اور رحیم داد کی داستان ہے جو پولیس سے بچنے اور پناہ لینے کے لیے جگہ جگہ چُھپتے پھرتے ہیں۔ وہ جہاں جہاں جاتے ہیں مُصنف نے اُن علاقوں کی تصویریں اپنے لفظوں سے بنائی ہیں۔ ناول میں اِنسان اور اُن کے رویے حیرت انگیز رُوپ میں سامنے آتے ہیں۔ ایک ایسا ہی کردار ہمدانی نامی اعلیٰ سرکاری افسر ہے جس کے پاس "جانگلوس" کا مفرور مُجرم لالی پناہ لیتا ہے۔ ہمدانی ڈپٹی کمشنر ہے اور اپنے دوستوں کے ساتھ ایک خُفیہ کلب قائم کیے ہوئے ہے جس کے ممبر اعلیٰ افسر اور وڈیرے ہیں۔ عیّاشی و دِیگر غیر اخلاقی سرگرمیوں کے لیے تشکیل دیا گیا یہ کلب غیر رسمی ہے اور صرف ہمدانی کے حلقۂ احباب تک محدود ہے۔ Wife Swapping بھی اِسی طرز کی ایک گھناؤنی سرگرمی ہے جس کے لیے وہ سب اکھٹے ہو رہے ہیں۔ مغربی مُعاشرے میں اِس نوع کی غیر اخلاقی سرگرمیاں وہاں کے گلے سڑے نظامِ اخلاق کی واضح دلیل ہیں جو بظاہر ایک ترقی یافتہ لیکن بباطن فاسد سوسائٹی کا تاریک پہلو ہے۔ پومپیائی Pompeii کے سماج میں ہمہ وقت جاری ایسی ہی سرگرمیاں آتش فشاں پہاڑ ویسوویس کے پھٹنے کے بعد لاوے کی تہہ میں دب کر ہمیشہ کے لیے مجسم ہو گئیں اور آج بھی وہ مناظر باقی ہیں جو دیکھنے والوں کو عبرت کا سامان مُہیا کرتے ہیں۔ ناول "جانگلوس" میں بھی مغرب کی آزادہ روی کے زیرِ اثر طبقۂ بالا پر مُشتمل کلب کے ارکان ہر طرح کی اخلاقی قدروں کو پامال کیے ہوئے ہیں اور تہذیب کے نام پر جنگل کے قانون کا مُظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک مفرور مُجرم کا اِس گروہ سے بظاہر کوئی تعلّق نہیں بنتا لیکن قسمت اُسے جس افسر کے در پر لے آتی ہے وہ ایک وقتی مجبوری کے تحت اپنے دوستوں کے اِکٹھ میں کھیلے جانے والے غیر اخلاقی کھیل میں اُسے 'امپائر' کا کردار نبھانے پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمدانی کو یقین ہے کہ لالی بخوبی یہ کردار نبھا پائے گا اور اپنے مجرمانہ پس منظر کے باعث اس کا راز بھی افشا نہیں کر سکے گا۔(12)

ایک بیوروکریٹ کا لالی جیسے مجرم سے بے تکلفی پر مبنی سلوک حیرت انگیز سہی، لیکن اِس کے پس پردہ پوشیدہ اغراض سے واقفیت کے بعد یہ رویہ حیرت کا باعث نہیں رہتا۔ اپنے گھناؤنے کھیل کے لیے امپائر کی عدم موجودگی ہمدانی کو لالی کی مدد لینے پر مجبور کرتی ہے لیکن وہ اُس کی مُجرمانہ حیثیت کا احساس دِلا کر اپنا مطلب نکلوا لینے میں کامیاب رہتا ہے۔ تاہم بات صرف امپائر بنانے تک محدود نہ تھی، ڈپٹی کمشنر، لالی سے ایک اور غرض بھی پوری کرانا چاہتا تھا۔ ہمدانی ایک خاص عورت کے چکر میں تھا اور لالی جیسا کوئی مجبور شخص ہی اُسے مطلوبہ عورت کے حُصول میں مدد دے سکتا تھا۔ وہ لالی پر اپنا مقصد ظاہر کرتے ہوئے قطعاً نہیں جھجھکتا اور بڑی بے تکلفی سے اسے اپنی بار بار کی ناکامی سے آگاہ کرتے ہوئے اس سلسلے میں اس کی مدد چاہتا ہے۔(13)

ہمدانی, لالی کے مُجرمانہ پس منظر سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ اُسے بلیک میل کرنا آسان ہے۔ ہمدانی جس سہولت کے ساتھ اُسے محرمِ راز بنالیتا ہے اُس کے پیچھے یہی اِطمینان پوشیدہ تھا کہ وہ کسی سے کُچھ کہہ نہیں پائے گا اور بالفرضِ محال کہہ بھی ڈالے تو اعتبار کسے آئے گا۔ ہمدانی اپنی سماجی حیثیت، اعلیٰ عہدے اور اِختیارات کو اپنے مذموم مقاصد کے حُصول کے لیے اِستعمال کرنے کے ڈھنگ خُوب جانتا ہے۔ ہمدانی کے ذریعے شوکت صدیقی نے بیوروکریسی اور اشرافیہ کی نجی زندگیوں کے ایک مکروہ رُخ کو عیاں کرنے کا کام لیا ہے۔ اُن کا بنایا جانے والا کلب اور وہاں ہونے والی غیر اخلاقی سرگرمیوں اور بے راہروی کے مُظاہرے ایک مفرور مُجرم کے لیے بھی حیرت انگیز ثابت ہوتے ہیں جو مُعاشرے کے اِس پوشیدہ پہلو سے پہلی بار آشنا ہو رہا تھا۔ یہ طبقۂ بالا کی تہذیب تھی جس کا ذریعۂ اثر اور تہذیبی و فکری رہنمائی کا منبع مغرب اور مغربی تمدّن رہا ہے۔ ظاہری پہلوؤں پر مغرب کے اثرات تو دُور سے بھی مُشاہدہ کیے جاسکتے ہیں لیکن نجی زندگی کی گہرائیوں میں جھانکنے کا یہ نادر موقع لالی جیسے مجرم کو محض اتفاقاً حاصل ہوا۔ ایک گلا سڑا، تعفن زدہ طرزِ زندگی اپنے اوپر پڑے خوشنما پردوں کے نیچے سے نمودار ہوا تو اس کے سارے تضادات ظاہر ہو گئے۔ پیسے کی فراوانی اور بے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

فکری کی زندگی نے عیاشی کی نت نئی راہیں کھول دی تھیں۔ تعلقات بڑھانے، رُکے ہوئے ناجائز کام نکلوانے کے لیے مذکورہ طبقہ کس حد تک جا سکتا تھا، اِس کا اندازہ اُن کی سرگرمیوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو مغربی آزادہ روی کی تقلید میں ساری اخلاقی حدود و قیود فراموش کیے بیٹھے ہیں۔

شوکت صدیقی نے اپنے ناول "کمین گاہ" میں سرمایہ دارانہ نظام اور صنعت کاروں کی سفاک ذہنیت کو نُمایاں کیا ہے۔ اِس ناول میں اُن ظالمانہ ہتھکنڈوں کی تصویر نظر آتی ہے جو سرمایہ دار اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اِستعمال کرتے ہیں اور اِس عمل کے دوران میں اخلاقیات کو اپنے قدموں تلے روند ڈالتے ہیں۔ سیٹھ ترلوکی چند کارخانہ دار ہے اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا بھرپور نُمائندہ۔ وہ کسی بھی شخص کو پیسے کے بدلے خریدنے اور اُسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بھی طرح پر اِستعمال کرنے کا بزعمِ خود غیر رسمی اِجازت نامہ رکھتا ہے۔ وہ رام بلی نامی شخص کو مُلازمت کے نام پر اپنا آلہ کار بنالیتا ہے اور اُس کے ذریعے دُوسروں کا اِستحصال کرتا ہے۔ ناول کے واقعات صنعتی نظام کی عطا کردہ سرمایہ داروں کی مخصوص ذہنیت، مُجرمانہ ہتھکنڈوں اور سرمایہ دارانہ نظام کی ساخت پر روشنی ڈالتے ہوئے اِس کا پردہ چاک کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر شوکت صدیقی اپنے ناولوں میں مغرب کے جن تہذیبی رویوں کی عکاسی کرتے ہیں وہ بیشتر منفی نوعیت کے ہیں۔ مادیّت پرستی اور اِس سے جُڑے رویوں کی اُنہوں نے کُھل کر تصویر کشی کی ہے جس میں ان کی ترقی پسند فکر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہوئی نمایاں ہے۔ مُعاشرے میں مُسابقت کا بڑھتا ہوا رُجحان اور اِس کے نتیجے میں اخلاقی قدروں کا پامال ہونا، کمزور پڑتے ہوئے اِنسانی رشتے، مال و دولت اور سماجی مرتبے کی بُنیاد پر اِنسان کی قدر و قیمت کا تعیّن، اخلاقی بے راہ روی، حد سے گُزر جانے والی آزادہ روی، شوکت صدیقی مغربی تہذیب کے اِن مظاہر کو بڑی تفصیل سے پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اُن کی اِشتراکی فکر مغربی سرمایہ داری سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتی اور وہ کُھل کر مغربی تمدّن کے منفی پہلو سامنے لاتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ شوکت صدیقی، (انٹرویو)، از منیر الدین احمد، ماہنامہ ادبِ لطیف، لاہور، جلد 54، شمارہ 6-5، ص 15
2۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، اُردو ناول آزادی کے بعد، نکھار پبلی کیشنز، موٴ ناتھ بھنجن، یوپی، 1981ء، ص 231
3۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو ادب کی صورتِ حال، ترتیب و تہذیب: ڈاکٹر اسد فیض، پورب اکادمی، اِسلام آباد، طبع اوّل، فروری 2014ء، ص 94
4۔ ایضاً، ص 94
5۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، آئینۂ ادب، لاہور، 1982ء، ص 412
6۔ حنیف فوق، ڈاکٹر، متوازی نقوش، نفیس اکیڈمی، کراچی، بار اوّل، 1989ء، ص 306
7۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، آئینۂ ادب، لاہور، 1982ء، ص 412
8۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، اُردو ناول آزادی کے بعد، ص 243-242
9۔ فاروق عثمان، ڈاکٹر، اُردو ناول میں مسلم ثقافت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، غیر مطبوعہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، سنہ ندارد، ص 211
10۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، ص 94
11۔ انوار احمد، ڈاکٹر، شوکت صدیقی۔ شخصیت اور فن، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اِسلام آباد، 2006ء، ص 56
12۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اوّل، رکتاب پبلی کیشنز، کراچی، طبع پنجم، ۸۹۹۱ء، ص ۷۸۲
13۔ ایضاً

کتابیات

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اسلم آزاد، ڈاکٹر، اُردوناول آزادی کے بعد، نکھار پبلی کیشنز، موَ ناتھ بھنجن، یوپی، 1981ء

انوار احمد، ڈاکٹر، شوکت صدیقی۔ شخصیت اور فن، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اِسلام آباد، 2006ء

حنیف فوق، ڈاکٹر، متوازی نقوش، نفیس اکیڈمی، کراچی، بار اوّل، 1989ء

شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اوّل، رکتاب پبلی کیشنز، کراچی، طبع پنجم، 1998ء

شوکت صدیقی، خدا کی بستی، آئینہ ادب، لاہور، 1982ء

شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو ادب کی صورتِ حال، ترتیب و تہذیب: ڈاکٹر اسد فیض، پورب اکادمی،
اِسلام آباد، طبع اوّل، فروری 2014ء

فاروق عثمان، ڈاکٹر، اُردو ناول میں مسلم ثقافت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، غیر مطبوعہ، بہاالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، سنہ ندارد

ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس، لاہور، 201ء